ٹالسٹائی کی کہانیاں
قومی کتب خانہ لاہور

ٹالسٹائی کی کہانیاں
پروفیسر محمود ہاشمی ایم اے
قومی کتب خانہ لاہور
قیمت ۱۶ر
۱۹۴۷ء
پہلی بار ۲۰۰۰

بارہ سے پندرہ سال تک کے بچوں کے لئے

- تین سوال
- ایک عجیب و غریب شے
- سیانی بچیاں

تین سوال

ایک بادشاہ کے دل میں ایک مرتبہ یہ خیال
پیدا ہوا۔ کہ اگر مجھے کسی طرح پتہ چل جائے۔ کہ
کام کرنے کے لئے موزوں وقت کونسا ہوتا ہے۔ ۱
میل ملاپ رکھنے کے لئے بہترین لوگ کونسے ہوتے ۲
ہیں۔ اور دُنیا میں سب سے ضروری کام کیا ہے ۳
تو میری زندگی بڑے مزے میں کٹ سکتی ہے اور
میں روز روز کی پریشانیوں سے بچ سکتا ہوں۔
ان تینوں باتوں پر وہ کئی دن تک غور کرتا
رہا۔ مگر جب کافی سوچ بچار کے بعد بھی اُس کے
پلے کچھ نہ پڑا۔ تو اُس نے اپنی راجدھانی میں

منادی کرا دی۔ کہ جو کوئی اُس کے ان تین سوالوں کا جواب دے کر اس کی تسلّی کرے گا۔ وُہ انعام سے مالا مال کر دیا جائے گا۔

اب قسمت آزمائی کے لئے اُس کے پاس بڑی دُور دُور سے کئی عالم فاضل آئے۔ جنہوں نے اپنی دانائی اور علم کے بل بوتے پر ان میں سے ہر سوال کے بڑے لمبے جواب دیئے۔ بادشاہ کو اپنے کہے کا یقین دلانے کے لئے اُنہوں نے ایک ایک بات کو سَو سَو پیچ دے کر کہا۔ اور زمین آسمان کے خوب قلابے ملائے۔ لیکن بادشاہ کی تسلّی نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ سارے دانا صرف اپنی ہی کہتے تھے۔ کسی دُوسرے کی نہ سُنتے تھے۔ اور پھر ہر ایک کا جواب بھی مختلف ہوتا تھا۔ ایک

نے پہلے سوال کے جواب میں کہا کہ کام کرنے
کے لئے موزوں وقت چننے کے لئے انسان کو چاہیئے
کہ ایک چھوٹا سا نقشہ تیار کرے۔ جس میں دنوں
مہینوں اور سالوں کا حساب ہو۔ اور ہر کام
شروع کرتے وقت اس نقشہ کو اپنے سامنے رکھے
مگر ایک اور نے اُسے یہ کہہ کر جھٹلا دیا۔ کہ کام
شروع کرنے سے پہلے ہی اس قسم کا نقشہ بنانا مشکل
ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے
کہ آدمی غلط قسم کے کاموں سے ہمیشہ دُور رہے
اور صرف ضروری کام ہی کرے۔ مگر ایک اور
نے یہ مشورہ بھی رد کر دیا۔ اور کہا۔ کہ ضروری
اور غیر ضروری کاموں کا چھانٹنا بھی تو ایک مشکل
کام ہے۔ اور جب تک اس کا حل نہ سوچا جائے

اس مشورے پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر
ایک اور نے کہا۔ کہ بادشاہ کو داناؤں کی ایک
پنچایت اپنے ساتھ رکھنی چاہیئے۔ جو ایسے وقت
بادشاہ کی مدد کرے۔ لیکن اس بات پر بھی خاصے
اعتراض ہوئے۔ اور کسی ایک نے کہا۔ کہ اکثر کام
ایسے ہوتے ہیں۔ جن کو کرتے وقت سوچنے کا
وقت ہی نہیں ملتا۔ اس لئے داناؤں کی پنچایت
کا کوئی فائدہ نہیں۔ اُنہوں نے کہا۔ کہ بادشاہ
اگر داناؤں کی بجائے نجومیوں اور جادوگروں کی
پنچایت رکھے۔ تو زیادہ اچھا ہوگا۔ کیونکہ یہ لوگ
ہونے والی باتوں کا پہلے ہی پتہ دے سکتے ہیں
غرض کہ یہی حال بادشاہ کے دوسرے اور
تیسرے سوال کا ہوا۔ اس بارے میں کہ میل

ملاپ کے لئے بہترین لوگ کونسے ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا "دانا لوگ"۔ تاکہ بادشاہ کو ہمیشہ دانائی کی باتیں بتاتے رہا کریں۔ بعض نے ڈاکٹروں اور حکیموں کی ضرورت پر زور دیا۔ اور کہا۔ کہ ایک بادشاہ کے لئے صحت اور تندرستی بہت ضروری ہے۔ مگر بعض نے فوجیوں کے حق میں رائے دی ٭

اسی طرح تیسرے سوال کے جواب میں بعض نے سائنس کے علم کا نام لیا۔ بعض نے فوجی تعلیم پر زور دیا۔ اور بعض نے کہا "مذہبی علم کے سامنے باقی سب چیزیں ہیچ ہیں۔

اگر یہ سارے دانا آپس میں متفق ہو جاتے اور ہر سوال کے جواب میں صرف ایک ہی بات

پر زور دیتے - تو بہت ممکن تھا - کہ بادشاہ کی
تسلّی ہو جاتی - اور وُہ اِن اُوٹ پٹانگ جوابوں
میں سے کسی ایک کا قائل ہو جاتا - مگر جب
اُس نے دیکھا - کہ وُہ سب آپس میں لڑ جھگڑ رہے
ہیں - تو وُہ اُن کی دانائی کے خلاف ہو گیا - اور
اُن میں سے کسی کو بھی انعام نہ دیا - بلکہ ناراض
ہو گیا - اور اُنہیں واپس بھیج دیا -

اس کے بعد بادشاہ نے فیصلہ کیا - کہ وُہ
خود ایک سادھو کے پاس جائے گا - اور اپنے
سوالوں کا جواب اُس سے پوچھنے کی کوشش کریگا
وُہ اس سادھو کی دانائی کے بہت سے قصّے سُن
چکا تھا - اور اُس کا خیال تھا - کہ منادی سُن کر
وُہ بھی محل میں آ جائے گا - مگر وہ لوگوں سے

ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ باقی داناؤں سے
نا اُمید ہوکر بادشاہ نے خود اُس کے پاس جانے
کا فیصلہ کیا ؛

یہ سادھو آبادی سے دُور ایک جنگل میں
رہتا تھا۔ بادشاہ جانتا تھا۔ کہ یہ سادھو غریب
لوگوں کے سوا اور کسی سے نہیں ملتا۔ اس لئے
اُس نے شاہی لباس اُتار کر پھٹے پرانے کپڑے
پہن لئے اپنے درباریوں کو محل ہی میں چھوڑا اور
خود چند ایک محافظوں کو ساتھ لے کر اُس جنگل
کی طرف روانہ ہوگیا۔ جنگل کے قریب پہنچ کر
اُس نے محافظوں کو بھی اپنے سے جُدا کر دیا اور
اکیلا سادھو کی جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔
جس وقت بادشاہ سادھو کے پاس پہنچا۔

سادھو اپنی جھونپڑی کے سامنے کھڑا کدال سے زمین کھود رہا تھا۔ اور چھوٹی چھوٹی کیاریاں بنا رہا تھا۔

بادشاہ نے اُس کے قریب پہنچ کر اُسے سلام کیا۔ اور کہا "اے دانا انسان۔ میں تیرے پاس تین سوال پُوچھنے آیا ہوں۔ مجھے بتا۔ کہ کام کرنے کے لئے موزوں وقت کونسا ہوتا ہے۔ میل ملاپ رکھنے کے لئے بہترین لوگ کون سے ہوتے ہیں۔ اور وُہ کونسا کام ہے۔ جو اس دُنیا میں سب سے زیادہ ضروری ہے"۔

سادھُو نے بادشاہ کے سلام کا جواب ہاتھ کے اشارے سے دیا۔ پھر اُس کے سوال سُنے۔ مگر کوئی جواب دیئے بغیر اپنے کام میں دوبارہ

مشغول ہو گیا۔

سادھو کے ہاتھ بڑے دُبلے پتلے تھے جسم بہت کمزور تھا۔ نہایت آہستگی کے ساتھ کدال زمین پر مارتا۔ پھر جب تھوڑی سی مٹی اُکھڑ آتی تو رُک جاتا اور ایک لمبا سانس لیتا۔

بادشاہ تھوڑی دیر تک کھڑا اُس کو دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔ اے دھرماتما۔ تو کدال مجھے دے دے۔ اور خود تھوڑی دیر آرام کر لے۔ کیونکہ تُو بہت تھک گیا ہے۔

سادھو نے صرف ایک لفظ کہا "شکریہ"۔ اور اس کے بعد کدال بادشاہ کے حوالے کر دی۔ بادشاہ اُس وقت پھٹے پُرانے چیتھڑوں میں ایک سڑک کُوٹنے والا مزدُور دکھائی دے رہا تھا۔

جسمانی محنت کے اس کام کا بادشاہ بالکل عادی
نہ تھا۔ اس لئے جلد ہی وہ اس کام سے اُکتا
گیا۔ اور پسینہ اس کی چوٹی سے لے کر ایڑی
تک بہنے لگا۔ اب بہانے بہانے وہ آرام کی
خاطر ذرا سا رُک گیا۔ اور سادھو کی طرف دیکھتے
ہوئے اپنے تین سوال دُہرانے شروع کر دیئے۔
سادھو نے اب کے بھی کوئی جواب نہ دیا۔
البتہ یہ سُن کر وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اور اپنے ہاتھ
کدال کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا "اب، تم
آرام کرو۔ اور مجھے کام کرنے دو"
لیکن بادشاہ نے کدال اُس کو نہ دی۔ اور
بدستور زمین کھودتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک گھنٹہ
گزر گیا۔ اور پھر ایک اور بھی۔ . . . جب سُورج

درختوں کے پیچھے چھپنے لگا - اور رات کا اندھیرا بڑھنے لگا - تو بادشاہ نے کدال ایک طرف رکھتے ہوئے کہا " اے دانا سادھو - مَیں اپنے سوالوں کا جواب لینے آیا تھا - اگر آپ نہیں دے سکتے - تو مجھے کم از کم کہہ تو دیجئے - تاکہ مَیں واپس گھر چلا جاؤں "

عین اُس وقت کوئی شخص بھاگتا ہُوا جنگل سے نکلا - دونو اُس طرف دیکھنے لگے - اس لئے بادشاہ کے سوال بیچ ہی میں رہ گئے -

بھاگتے ہوئے آدمی نے دونو ہاتھوں سے اپنا پیٹ تھام رکھا تھا جس میں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں - وُہ سیدھا ان کی طرف آیا - لیکن قریب پہنچتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑا -

بادشاہ اور سادھو نے مِل کر زخمی آدمی کے کپڑے اُتارے تو دیکھا۔ کہ اُس کے پیٹ میں ایک تازہ اور گہرا زخم ہے۔ بادشاہ نے زخم کو اچھی طرح دھویا۔ اور اس کے بعد اُس پر اپنے رومال کی پٹی بنا کر باندھ دی۔ مگر خون کسی طرح بند ہونے میں نہ آتا تھا۔ اس لئے بادشاہ کو وہ پٹی کتنی ہی مرتبہ کھول کر۔۔۔ باندھنی پڑی۔ بڑی کوشش کے بعد جب خون بند ہُوا۔ تو زخمی آدمی نے اپنی بند آنکھیں کھولیں۔ اور پینے کے لئے پانی مانگا۔

بادشاہ فوراً ایک قریب کے چشمے پر گیا اور وہاں سے تازہ پانی لا کر اُسے پلا دیا۔

اسی اثنا میں سُورج بالکل چھپ گیا۔ اور سردی بڑھنے لگی۔ اب سادھو کے مشورے سے

بادشاہ نے اُس کو اپنے کندھے پر اُٹھا لیا۔ اور سادھو کی جھونپڑی میں لے جا کر گھاس اور تنکوں کے بنے ہوئے ایک آرام دہ بستر پر لٹا دیا ؏

زخمی آدمی تو خیر کمزوری کی وجہ سے پہلے ہی آنکھیں بند کئے تھا۔ مگر اب آہستہ آہستہ بادشاہ کی آنکھیں بھی بند ہونے لگیں۔ دن بھر کے سفر جسمانی محنت اور زخمی کی تیمار داری نے اُسے تھکا دیا تھا۔ اس لئے اُسے نیند آنے لگی تھی۔ چنانچہ وُہ وہیں زخمی آدمی کے بستر کے قریب لیٹ گیا۔ اور جلد ہی گہری نیند سو گیا ؏

صُبح جب بادشاہ کی آنکھ کھلی۔ تو ایک لمحہ کے لئے اُسے کچھ یاد نہ رہا کہ وہ کہاں ہے۔ اور کس حال میں ہے؟ مگر جب اُس نے زخمی آدمی کی طرف

دیکھا۔ تو فوراً اُسے سب کچھ یاد آگیا ؛

زخمی آدمی بادشاہ سے کچھ دیر پہلے ہی جاگ پڑا تھا۔ اب آنکھیں کھولے بادشاہ کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

جب اُس نے دیکھا۔ کہ بادشاہ جاگ پڑا ہے اور اُس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ تو اُس نے اپنے بستر سے اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بڑے عاجزانہ انداز میں کہا " مجھے معاف کردو "

بادشاہ کچھ نہ سمجھ سکا۔ وُہ جلدی سے اُٹھا اور زخمی کو سہارا دے کر لٹا دیا۔ اور کہا۔ " اے مصیبت زدہ انسان! اُٹھنے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ خون نکلنے کی وجہ سے تم بہت کمزور ہو گئے ہو ؛

پھر بادشاہ نے اُس کی پٹی جو ڈھیلی ہو گئی
تھی۔ ذرا کس کر باندھ دی اور پُوچھا "تم نے
مجھ سے معافی کیوں مانگی تھی؟"

زخمی آدمی نے جواب دیا "اے بادشاہ۔ آپ
مجھے نہیں جانتے۔ مگر مَیں آپ کو جانتا ہوں۔ مَیں
وہی جاگیردار ہوں۔ جس کی جاگیر آپ نے پچھلے
دنوں ایک جُرم کی سزا کے طور پر ضبط کی تھی
مَیں نے قسم کھائی تھی۔ کہ آپ سے بدلہ لُوں گا
اور اسی لئے آج جب مجھے پتہ چلا۔ کہ آپ سادھو
کے پاس اکیلے تشریف لائے ہیں۔ تو مَیں اپنے
گھر سے آپ کو مارنے کی نیت سے نکل کھڑا ہُوا
راستے میں آپ کے آدمیوں نے مجھے پہچان لیا
اور خنجر سے حملہ کر دیا۔ بڑی مشکل سے مَیں نے

جان چھڑاتی - مگر پھر آپ کے قابو میں آگیا - اور
آپ نے جو سلوک مجھ سے کیا ہے - اُس کی وجہ
سے اب آپ کے سامنے گردن نہیں اُٹھ سکتی "

زخمی آدمی نے یہ کہتے ہوئے اپنی آنکھیں بند
کرلیں - لیکن جلد ہی آنکھیں کھول کر گڑگڑاتی آواز
میں کہا " اے بادشاہ سلامت - میں بڑا گنہگار
ہوں - پر اب وعدہ کرتا ہوں - کہ آج سے ہمیشہ
آپ کا وفادار رہوں گا - میرا قصور بھول جائیں
اور مجھے معاف کردیں "

بادشاہ اس بات پر دل ہی دل میں خوش
ہو رہا تھا - کہ اُس نے اپنے ایک جانی دشمن کو
اتفاق سے وفادار دوست بنا لیا ہے - چنانچہ
اُس نے اُسے تسلّی دی - اور کہا " اے نادان

انسان - جا میں نے تجھے معاف کیا - جب میں
اپنی راجدھانی میں پہنچوں گا - تو اپنا شاہی حکیم
تیرے علاج کے لئے بھیجوں گا۔"

اس کے بعد بادشاہ نے اُسے تسلّی دی اور
جھونپڑی سے باہر نکل آیا - وہ چاہتا تھا - کہ
جانے سے پہلے سادھو سے آخری مرتبہ مل لے
شاید اس مرتبہ اُس کا مطلب حل ہو جائے
اور سادھو اُس کے سوالوں کا جواب دے دے۔

جلد ہی اُسے سادھو مِل گیا - وہ کل کی
بنائی ہوئی کیاریوں میں سبزیوں اور پھولوں کے
بیج بو رہا تھا - بادشاہ اُس کے پاس جا کھڑا ہوا
اور اپنے سوال دہراتے ہوئے کہا "اے نیک
سادھو - میں اب واپس جانا چاہتا ہوں - اس

لئے آخری مرتبہ تجھ سے التجا ہے۔ کہ مجھے نا امید

نہ پھیر۔ اور میرے سوالوں کا جواب دے دے

سادھو کام کرتے کرتے رُک گیا۔ اُس نے

بادشاہ کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔ لیکن اے سوالی

تیرے سوالوں کے جواب تو تجھے مل گئے۔ اب

اور کیا چاہتا ہے؟"

"وُہ کیسے؟" بادشاہ نے بڑی حیرانی سے پُوچھا

"جو کچھ تو نے یہاں آ کے کیا۔ وہی تیرے

سوالوں کا جواب ہے۔ سُن اے بادشاہ! اگر تو

کل مُجھ پر ترس نہ کھاتا۔ ان کیاریوں کے بنانے

میں میری مدد نہ کرتا۔ اور میری خاموشی سے جھنجھلا

کر جلد ہی واپس چلا جاتا۔ تو وُہ آدمی راستے میں

تجھ پر حملہ کرتا۔ اور اُس وقت تو اس بات پر

پچھتاتا۔ کہ کیوں نہ تُو میرے پاس ٹھہرا رہا۔ اس لحاظ سے کام کرنے کا سب سے موزوں وقت وہی تھا۔ جب کہ تو میرے پاس کھڑا میری کیاریاں کھود رہا تھا۔ اور میل ملاپ رکھنے کے لئے اُس وقت بہترین شخص مَیں تھا۔ اور ضروری کام بھی تیرے لئے اُس وقت کیاریاں کھودنے کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اسی طرح بعد میں جب تیرا دشمن ہمارے پاس پہنچا۔ تو کام کرنے کا موزوں وقت وُہ تھا۔ جب کہ تُو اُس کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔ اُس وقت میل ملاپ رکھنے کے لئے بہترین شخص زخمی آدمی تھا۔ اور تیرے لئے ضروری کام اُس کی مرہم پٹی کرنا تھا۔ کیونکہ اگر تُو یہ سب کچھ نہ کرتا۔ تو وُہ مر جاتا۔ اور تُو اپنے دشمنوں میں نہ ایک کو گھٹا سکتا۔ اور نہ وفاداروں

ہیں ایک کی زیادتی کر سکتا "

اتنا کہہ کر سادھو خاموش ہو گیا۔ اور بادشاہ کی طرف مُسکرا مُسکرا کر دیکھنے لگا۔

جلد ہی اُس نے مسکرانا بند کر دیا۔ اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ کہا " اے بادشاہ۔ ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی۔ ابھی تک تُو حیران نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوالوں کا جواب اچھی طرح تیری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے سُن۔ مَیں تجھے سمجھاتا ہوں "

بادشاہ جو واقعی سادھو کی باتوں کو پُورے طور پر نہیں سمجھ سکا تھا۔ سادھو کی طرف زیادہ توجہ سے دیکھنے لگا۔

سادھو نے کہا " اے بادشاہ۔ جو کچھ تُو نے

کیا۔ اور جس کو میں نے ابھی ابھی دہرایا ہے۔ صاف
طور پر ظاہر کرتا ہے۔ کہ سے دے کے وقت ہی
سب سے زیادہ ضروری شے ہے۔ کیونکہ [وقت
ہی ہے۔ جو تمہیں لوگوں سے ملاتا ہے۔ اور
تمہارے لئے کام پیدا کرتا ہے۔ وقت ہی ہے
جو تمہیں لوگوں سے ملنے کا موقع دیتا ہے۔ اور تم
میں کام کرنے کی ہمت بڑھاتا ہے]۔ اس لحاظ سے
موزوں ترین وقت وُہ ہے۔ جب کہ تم اپنے میں
کام کرنے کی خواہش اور ہمت محسوس کرو۔ میل
ملاپ کے لئے بہترین آدمی وُہ ہے۔ جس سے کہ
اُس خاص وقت میں تمہیں واسطہ پڑے اور بہترین
کام یہ ہے۔ کہ تم اس سے نیکی کرو"
سادھو یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اور دوبارہ

اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

بادشاہ اب سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ اُسے اُس کے سوالوں کا جواب مل گیا تھا۔ اور اُس کی تسلّی ہو گئی تھی۔ اس لئے اُس نے سادھو کا شکریہ ادا کیا۔ اور خوش خوش واپس چلا گیا۔

ایک عجیب و غریب شے
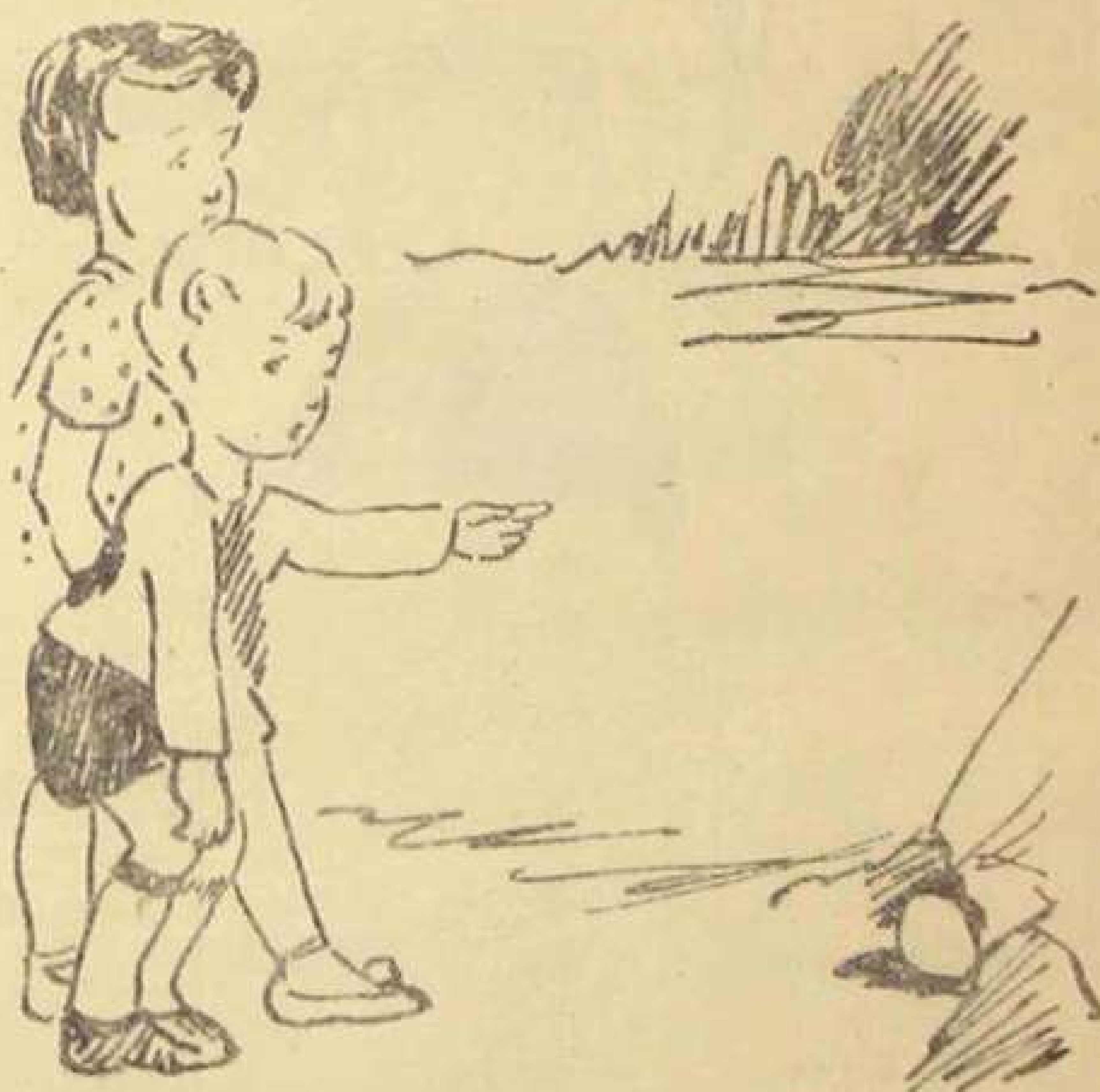
کچھ بچّے اپنے گاؤں کے قریب کی ایک پہاڑی
کے دامن میں کھیل رہے تھے۔ کہ اُنہیں ایک ویران
سُوراخ میں ایک بڑی عجیب شئے دکھائی دی۔ جس
کی شکل و صُورت تو گندم کے دانے جیسی تھی۔ مگر
جسامت میں مُرغی کا انڈا معلوم ہوتی تھی۔ بچّوں
نے ایسی شئے پہلے نہ کبھی دیکھی تھی۔ نہ سُنی تھی
اس لئے اسے دیکھ کر وہ طرح طرح کے خیال
دوڑانے لگے۔

بعضوں کا خیال تھا۔ کہ یہ کوئی زہریلا
کیڑا ہے۔ جو اس وقت سو رہا ہے۔ اگر اسے جگایا

گیا۔ تو کاٹ کھائے گا۔

بعض اسے بم سمجھ رہے تھے۔ اور سوچ رہے تھے۔ کہ اگر اسے چھُوا گیا۔ تو یہ فوراً پھٹ جائے گا اور اس میں سے چنگاریاں برسیں گی۔

مگر بعض من چلے اسے محض ایک خوبصُورت سا پتھّر سمجھ رہے تھے۔ اور دل ہی دل میں ارادہ کر چکے تھے۔ کہ جونہی موقع مِلا۔ اور دوسروں کا دھیان کسی اور طرف ہُوا۔ وُہ نظر بچا کے اسے جیب میں ڈال لیں گے۔ اور پھر اس سے کھیلا کریں گے۔

ابھی وُہ اس طرح کی سوچیں سوچ رہے تھے کہ وہاں سے ایک مسافر کا گزر ہُوا۔ جو شہر کو جا رہا تھا۔ اُس نے جب اُن کو یُوں حیران کھڑے

دیکھا - تو وہ بھی اُن کے پاس آگیا - اور اُس عجیب
وغریب شے کو دیکھنے لگا -

کچھ دیر تک بڑے غور سے دیکھنے کے بعد اُس
نے اسے اُٹھا لیا - اور یہ کہہ کر کہ میں شہر میں جا
کر یہ عجیب و غریب تحفہ بادشاہ کو دُوں گا - اُسے
لے کر وہاں سے چلتا ہُوا - جاتی مرتبہ بچّوں کو
اُداس دیکھ کر اُس نے اپنے سفری تھیلے سے کچھ
مٹھائی نکال کر اُن سب کو دے دی - جس سے وہ
بہت خوش ہوئے - تالیاں بجا بجا کر ناچنے لگے -

مسافر نے جب یہ تحفہ بادشاہ کے حضور پیش کیا
تو اسے پا کر وہ خوش بھی ہُوا - اور حیران بھی -
مسافر کو تو خیر انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا
مگر اس کے بعد وہ اپنی نگاہوں کو اس عجیب و غریب

شے سے ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہ کر سکا۔ وہ حیران ہو ہو کے سوچتا تھا۔ کہ آخر اس شے کا نام کیا ہے؟ اور یہ ہے کیا؟"

آخر جب سوچ سوچ کے تھک گیا۔ اور کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ تو اس نے اپنی راجدھانی کے سارے داناؤں کو بلایا۔ اور وہ عجیب و غریب شے ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا "میرے۔ داناؤ۔ مجھے بتاؤ۔ کہ یہ کیا شے ہے؟"

سب داناؤں نے بڑے غور سے اس چیز کو دیکھا۔ پھر اپنے سر جھکا لئے۔ اور اپنی موٹی موٹی کتابیں جو وہ ساتھ لائے تھے۔ کھول لیں اور پڑھنے لگے۔

صبح سے شام تک وہ یونہی اپنے علم

کے خزانوں کو ٹٹولتے رہے۔ مگر اُنہیں اس شئے
کے ہیر پھیر کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔

پھر جب شام ہونے کو آئی۔ اور بڑھتے ہوئے
اندھیرے کی وجہ سے اُن کتابوں کو پڑھنا مشکل
ہو گیا۔ تو اُنہوں نے کتابیں بند کر دیں۔ اور سوچنے
لگے۔ کہ ہماری دانائی نے ہماری کوئی مدد نہیں کی
اور وُہ کام جو ہمارے سپُرد کیا گیا تھا۔ ہم سے
نہیں ہو سکا۔ اب ہم بادشاہ کو مُنہ کیسے دکھائیں گے"

عین اُسی وقت ایک مرغی پھرتی پھراتی اُن
کے کمرے میں آ نکلی۔ اور اُن کے پاس آ کر اُس
عجیب و غریب شئے کو ٹھونگے مارنے لگی۔ کٹ، کٹ
کٹ ــــ کٹ ــــ دانا چُپ چاپ مرغی کو دیکھتے
رہے۔ اُن کے دیکھتے دیکھتے مُرغی نے اُس شئے

میں سوراخ کر دیا۔

"انڈے میں سوراخ نہیں ہو سکتا" داناؤں نے سوچا۔ اور اس کے بعد فوراً ہی انہیں خیال آیا۔ کہ یہ گندم کا دانہ ہو گا"

جب انہوں نے بادشاہ سے یہ کہا۔ تو وہ اور بھی حیران ہو کر کہنے لگا" میرے داناؤ۔ اگر گندم کا دانہ واقعی اتنا بڑا ہو سکتا ہے۔ تو مجھے بتاؤ۔ کہ یہ گندم کس جگہ اور کس زمانے میں اُگی تھی؟"

آسمان سے گرنے کے بعد اب بیچارے دانا کھجور میں اٹک گئے۔ اب دوبارہ انہیں اپنی کتابیں کھولنی پڑیں۔ اور دوبارہ جھک کر ان کے صفحوں پر اس بھید کی تلاش کرنی پڑی"

مگر اب کے بھی کتابوں سے کچھ حاصل نہ ہو سکا

ان کتابوں میں اس بات کا تذکرہ تک نہ تھا۔

آخر اُنہوں نے بادشاہ کے سامنے اپنی ہار مان لی۔ اور کہا "اے بادشاہ۔ اس بارے میں ہماری کتابوں میں کچھ نہیں لکھا۔ ہم ہار گئے۔ اب تو یہی صُورت ہے کہ آپ اپنے آدمیوں کو گندم بونے والے کسانوں کے پاس بھیجیں۔ ہمیں یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی کسان ایسا ضرور نکل آئے گا۔ جو اس بھید کو کھول سکے گا۔

چنانچہ بادشاہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ کہ وُہ گاؤں گاؤں پھریں۔ اور جو سب سے بوڑھا کسان نظر آئے۔ اُسے لے آئیں۔

بادشاہ کے آدمی جگہ جگہ پھرنے کے بعد ایک ایسے شخص کو لائے۔ جس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ مُنہ

میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ وہ بیساکھیوں کی مدد سے چلتا تھا۔ اور وہ بھی بڑی مشکل سے۔

بادشاہ نے جب اُسے دیکھا۔ تو دل ہی دل میں کہا۔ کہ "یہ شخص جس نے اپنی عمر کی کئی بہاریں دیکھی ہیں۔ ضرور اس گتھی کو سلجھا دے گا"

بادشاہ نے وُہ دانہ اُس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا" اے بڑے میاں۔ ہم بڑی مشکل میں ہیں۔ تُو اسے غور سے دیکھ اور ہمیں بتا۔ کہ کیا تُو نے اس جیسا گندم کا دانہ اس سے پہلے کہیں دیکھا ہے؟ ممکن ہے تُو نے اس قسم کی گندم کبھی خریدی ہو۔ یا اس طرح کی گندم اپنے کھیتوں میں بوئی ہو۔

وُہ بُوڑھا نہ اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ نہ سُن

سکتا تھا۔ تاہم اُس نے بادشاہ کے بالکل قریب
آ کر اپنے کانوں کو اُس کے مُنہ کے ساتھ لگا
کر بات سُنی۔ اور اس کے بعد آنکھیں جھپک جھپک
کے گندم کے دانے کو دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔
پھر اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اُس نے
اُس کو چھُو کے بھی دیکھا۔ اور آخر کار اُس نے
نہایت دھیمی آواز میں جو بڑھاپے کی وجہ سے رُک
رُک کے باہر نکلتی تھی۔ کہا۔ "نہیں۔ اے بادشاہ
سلامت۔ بالکل نہیں۔ نہ میں نے اس طرح کی گندم
کبھی بوئی۔ اور نہ کبھی خریدی۔ جب سے میں نے
ہوش سنبھالا ہے۔ میں تو وہی عام گندم دیکھتا
ہوں جس کے دانے اس سے بہت چھوٹے ہوتے
ہیں۔"

اس کے بعد وُہ چُپ ہو گیا۔ کیونکہ اتنی لمبی بات کرتے کرتے اُس کا سانس پھُول گیا تھا پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے دوبارہ کہا "اے بادشاہ سلامت۔ آپ میرے والد سے بات چیت کریں۔ ممکن ہے۔ اُنہوں نے اس طرح کی گندم کبھی دیکھی ہو؟"

اب بادشاہ نے پھر اپنے آدمی بھیجے۔ جو بڑے میاں کے ابّا کو ڈھونڈھ لائے۔ یہ نئے بڑے میاں بھی اگرچہ اچھے خاصے بوڑھے تھے۔ مگر بادشاہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہُوا۔ کہ اُن کی تندرستی اپنے بیٹے کی نسبت زیادہ اچھی تھی۔ اور اس کے علاوہ چلنے کے لئے وُہ دو بیساکھیوں کی بجائے ایک ہی استعمال کر رہے تھے۔

بادشاہ نے گندم کا دانہ بڑے میاں کے سامنے کر دیا۔ اور وہی بات جو پہلے بوڑھے سے کہی تھی۔ اب پھر دہرائی "بڑے میاں ہم بڑی مشکل میں ہیں۔ تو اس کو غور سے دیکھ۔ اور ہمیں بتا۔ کہ کیا تُو نے کبھی ایسی گندم دیکھی ہے؟ ممکن ہے۔ تُو نے کبھی اس طرح کی گندم خود بوئی ہو۔ یا بازار سے خریدی ہو"

یہ بڑے میاں آسانی سے دیکھ سکتے تھے۔ سُننے میں اُنہیں تکلیف ضرور ہوئی۔ مگر اتنی نہیں جتنی کہ اُن کے بیٹے کو ہوئی تھی۔ اُنہوں نے گندم کا دانہ ہاتھ میں تھام لیا۔ اور تھوڑی دیر تک اُسے اُلٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد کہنے لگے اے بادشاہ سلامت۔ مَیں نے اپنے ہوش میں نہ کبھی ایسی

گندم کی فصل بوئی ہے۔ نہ کاٹی ہے۔ اور آپ نے خریدنے کے متعلق جو فرمایا ہے۔ تو عرض ہے کہ میری جوانی تک کے زمانے میں ابھی تک روپوں اور پیسوں کا کاروبار شروع نہ ہُوا تھا۔ ہر شخص اپنے لئے گندم خود اُگاتا تھا۔ اگر ہمیں کسی چیز کی ضرورت پڑتی۔ تو ہم کسی اور جنس کے ساتھ تبادلہ کر لیا کرتے تھے۔ پھر بھی جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ مَیں نے اس طرح کی گندم کبھی نہیں دیکھی۔ ہاں مَیں نے اپنے والد کو اکثر یہ کہتے سُنا ہے۔ کہ اُن کے زمانے میں گندم کا دانہ بہت بڑا ہُوا کرتا تھا۔ اگر آپ اُن سے پُوچھیں۔ تو شاید وُہ بتا سکیں ؞

بادشاہ نے پھر اپنے آدمیوں کو دوڑایا۔ جو

جلد ہی ایک اور بڑے میاں کو لے آئے۔ جو پہلے
بوڑھے کے دادا اور دوسرے کے والد تھے۔ یہ
تیسرے بڑے میاں خاصے تندرست تھے۔ اور
ظاہر ہیں دادا تو بالکل نہ لگتے تھے۔ کیونکہ نہ ان کی
کمر جھکی ہوئی تھی۔ اور نہ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی
تھیں۔ نہ اُن کے پاس بیساکھی ہی تھی۔

بادشاہ نے گندم کا دانہ اُن کے سامنے کر دیا
اور پھر وہی پہلا سوال دہرایا۔ جو پہلے دو بوڑھوں
سے پوچھا تھا " بڑے میاں ہم بڑی مشکل میں ہیں
تو اس کو غور سے دیکھ اور ہمیں بتا۔ کیا تو نے کبھی
ایسی گندم دیکھی ہے۔ ممکن ہے۔ کبھی تو نے اس
طرح کی گندم خود بوئی ہو۔ یا بازار سے خریدی ہو"
دادا میاں نے اُسے ہاتھ میں تھام لیا۔ اور

بڑے غور سے دیکھنے لگے۔ دیکھتے دیکھتے ایک آدھ مرتبہ اُنہوں نے اُسے اُچھال کے بھی دیکھا۔ پھر کہا "اے بادشاہ سلامت ایک زمانہ تھا۔ جب کہ اِس طرح کی گندم ہمارے ہاں بڑی عام تھی۔ مگر اب تو مدتوں کے بعد یہ دانہ دیکھنا نصیب ہُوا ہے"!

یہ کہہ کر بڑے میاں نے گندم کے دانے سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا توڑا اور اُسے اپنی زبان پر رکھ کر چکھتے ہوئے کہا "ہاں۔ ہاں۔ بادشاہ سلامت یہ وہی گندم ہے۔ جو مَیں اپنی جوانی میں کھایا کرتا تھا۔ جیسا کہ کہہ چکا ہوں۔ اُن دنوں یہ گندم بڑی عام تھی۔ بس اتنے ہی بڑے دانے ہُوا کرتے تھے"!

بادشاہ اس گندم کے بارے میں زیادہ باتیں جاننے کے لئے بے صبر ہو رہا تھا۔ اس لئے اُس

نے جلدی سے کہا "بڑے میاں۔ ہمیں بتاؤ۔ کہ یہ گندم کہاں بوئی جاتی تھی۔ اور جس زمانے کا تم ذکر کر رہے ہو۔ وہ کونسا زمانہ تھا۔ کیا تم نے کبھی اس قسم کی گندم بوئی تھی۔ یا محض خرید کے کھائی تھی؟"

بُوڑھے نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا "جہاں پناہ۔ یہ گندم کسی خاص جگہ نہیں اُگتی تھی۔ بلکہ میری جوانی کے زمانے میں گندم کا اصلی رنگ رُوپ ہی یہی تھا۔ مَیں نے خود کئی دفعہ یہ گندم بوئی کاٹی۔ اور کھائی۔ خریدنے کا ان دنوں سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ لوگ کھانے پینے کی چیزوں کو بیچنا یا خریدنا گناہ سمجھتے تھے۔ ہر شخص کے پاس گندم کے ڈھیروں کے ڈھیر ہوتے تھے

اور اُسے کسی سے لینے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔"

"خوب زمانہ تھا۔ مگر بڑے میاں۔ ہمیں یہ تو بتاؤ۔ کہ تمہارے کھیت کہاں تھے۔ جہاں کی مٹی اس قسم کی گندم اُگاتی تھی۔" بادشاہ نے پُوچھا۔

بُوڑھا مسکرایا۔ پھر کہنے لگا۔" بادشاہ سلامت یہ دُور تک پھیلی ہوئی ساری زمین میرا کھیت تھی جہاں کہیں ہل چلا لیتا۔ وہاں کی پیداوار میری ہو جاتی۔ زمین اُس زمانے میں کسی کی ملکیت نہ تھی۔ بلکہ لوگ محنت کر کے اُس پر اپنا حق پیدا کرتے تھے۔ جو شخص جتنی زیادہ محنت کرتا۔ اور جتنا زیادہ ہل چلاتا۔ اُتنا ہی زیادہ اُسے صلہ ملتا۔"

بادشاہ یہ سب باتیں سُن سُن کر بڑا حیران ہو رہا تھا۔ اب اُس نے کہا۔" اے بڑے میاں جس

زمانے کا تُو ذکر کر رہا ہے۔ وُہ بڑا عجیب ہو گا۔
اور مجھے یقین ہے۔ کہ اُن دنوں لوگ بڑے خوش
رہتے ہوں گے۔ مگر مَیں یہ نہیں سمجھ سکا۔ کہ آخر
ہماری زندگی میں یہ تبدیلی کیسے آگئی۔ اور اب
گندم کے دانے اتنے بڑے کیوں نہیں ہوتے؟"
بُوڑھے نے جواب دیا " بادشاہ سلامت۔ یہ
تو بڑی سیدھی سی بات ہے۔ پہلے لوگ محنت کرنا
پسند کرتے تھے۔ خدا بھی اُن پر خوش تھا۔ گندم
اُن کے پاس کثرت سے ہوتی تھی۔ اور گندم کے
دانے بھی بڑے بڑے ہوتے تھے۔ مگر اب لوگوں
نے خود محنت کرنے کی بجائے دوسروں کی کمائی پر
ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب ہر شخص
یہی چاہتا ہے۔ کہ دُوسرے لوگ اُس کے لئے

محنت کریں اور وُہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے
اور اُن کی کمائی کھائے۔ یہی وجہ ہے کہ اب خدا
بھی اُن کی اس بُری عادت کی وجہ سے رُوٹھ گیا
ہے۔ وُہ اب اُنہیں پہلے سے تھوڑی گندم دیتا
ہے۔ اور گندم کے دانے بھی اُس نے چھوٹے چھوٹے
پیدا کرنے شروع کر دیئے ہیں "
بادشاہ اُس بوڑھے سے یہ بھی پُوچھنا چاہتا تھا
کہ وُہ کیوں اتنا توانا ہے۔ اور اُس کا پوتا کیوں
اتنا کمزور اور گیا گزرا ہے۔ مگر اب اُس نے نہ پُوچھا
کیونکہ وُہ ساری بات سمجھ گیا تھا۔ اور اُسے پتہ
چل گیا تھا۔ کہ اگر پُرانے لوگوں کی نسبت نئے لوگ
زیادہ کمزور ہیں۔ تو اس کی وجہ بھی ہماری اپنی
بُری عادتیں ہیں۔ جن سے کہ ہم نے خدا کو ناراض

کر دیا ہے ۔

اب جب بادشاہ کی نظر دوبارہ اُس گندم کے بڑے سے دانے پر پڑی ۔ تو دفعتہً اُس کو خیال پیدا ہوا " اگر ہم اور زیادہ بُرے ہو گئے ۔ تو کیا گندم کے دانے اور بھی چھوٹے ہوتے جائیں گے اور کہیں وہ زمانہ تو نہیں آنے والا ۔ جب خدا ہم سے اتنا روٹھ جائے گا ۔ کہ گندم اُگانی ہی بند کر دے گا "

بادشاہ نے آنکھیں بند کر لیں ۔ اور گہری سوچ میں پڑ گیا ؟

سیانی بچّیاں

ساون کا مہینہ تھا۔ پورے ایک ہفتہ تک
متواتر پانی پڑنے کے بعد بارش ابھی ابھی تھمی تھی
گلی محلّے کی نالیوں میں پانی چل رہا تھا۔ جس میں
چھوٹے چھوٹے بچّے کاغذ کی کشتیاں بنا بنا کے
چلا رہے تھے۔ کچھ بچّے پانی کے تالابوں کے
کنارے گپ شپ سے اپنا جی بہلا رہے تھے۔
محلّے کی دو چھوٹی بچّیاں بھی ایک ایسے ہی
تالاب کے کنارے آ کھڑی ہوئیں۔ ایک تو بہت
چھوٹی تھی۔ بالکل گڑیا۔ اتنی چھوٹی کہ اگر وہ باتیں نہ
کرتی ہوتی۔ اور باتیں کرتے ہوئے ہلتی نہ دکھائی

دیتی - تو اُس پر یقینی طور پر ایک گول مٹول سی گڑیا کا دھوکا ہو جاتا - دُوسری البتہ بڑی تھی - قد میں بھی اور ڈیل ڈول میں بھی - اُس نے اپنے سر پر دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا - اور اپنی سہیلی کے ننگے سر کی طرف کچھ اس طرح دیکھ رہی تھی - جیسے اُس کے مقابلے میں وُہ اپنے آپ کو واقعی ایک بڑی بی سمجھ رہی ہو -

"اری تمہارے پاس دوپٹہ نہیں جو تم ننگے سر ہی پھر رہی ہو - میری امّاں نے تو مجھے یہ دوپٹہ اوڑھا دیا تھا - کہتی تھیں - کہ باہر سردی ہے" اور اس کے بعد اپنی ننھّی سہیلی کو فخر کے ساتھ اپنا دوپٹہ دکھانے لگی - ننھّی نے اپنا معصوم چہرہ کچھ اس طرح بنا لیا - جیسے اُس کو اپنے ننگے سر ہونے کا بڑا

افسوس ہو رہا ہو۔ چنانچہ اُس نے فوراً واپس گھر جا کر دوپٹہ لانے کا ارادہ کیا۔

"کہاں چلی ہو؟" بڑی نے پُوچھا۔

"ابھی آئی۔" اور ننّھی بھاگنے لگی۔

مگر بڑی لڑکی نے اُسے پکڑ لیا۔ اور جانے نہ دیا۔ پھر اُن دونوں نے اُس تالاب میں داخل ہو کر پانی میں گھُوم پھر کر لطف اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ ننّھی کو یہ تجویز اس قدر پسند آئی۔ کہ گھر جا کر دوپٹہ لانے کا ارادہ اُس نے ترک کر دیا۔ . . . . . .

. . . .

"آہا ہا بڑا مزہ آئے گا۔" یہ کہتے ہوئے ننّھی نے اپنے قدم بڑھائے۔ اور تالاب میں داخل ہونے لگی۔

مگر بڑی نے فوراً اُس کا ہاتھ پکڑ کر روکتے ہوئے کہا "یوں جوتوں سمیت پانی کے اندر مت جاؤ۔ نازی تمہاری امّاں ناراض ہوں گی۔ پہلے اپنے جُوتے اور جرابیں اُتار لو"

یہ کہہ کر بڑی لڑکی نے جس کا نام تو کچھ اور تھا مگر جسے پیار سے شمی، شمی کہتے تھے۔ اپنے جُوتے اُتار لئے۔ اور جرابیں بھی۔ ننھّی نازی نے بھی ایسا ہی کیا اس کے بعد دونو نے اپنے فراک اُوپر اُٹھا لئے اور پانی میں داخل ہو گئیں۔ ایک نے تالاب کے ایک سِرے سے چلنا شروع کیا۔ دوسری نے دوسرے سِرے سے۔ اور پھر چلتے چلتے جب وہ ایک دُوسرے کے سامنے آجاتیں۔ تو کھِلکھِلا کے ہنستیں۔ اور ہنسی ہنسی میں پانی کا ایک آدھ چھپاکا

بھی ایک دُوسری پر دے مارتیں۔

ایک دفعہ ننھّی نازی نے شمّی پر پانی کا چھپا کا مارا
تو وُہ ایک چپت کی سی تیزی کے ساتھ اُس کے مُنہ پر
جا لگا۔ جس پر شمّی کو غصّہ آگیا۔ اور اُس نے دونو
ہاتھوں سے بیچاری نازی پر جلدی جلدی چھپا کے
مارنے شروع کر دیئے۔ اُس کا مُنہ اور اُس کے بال
بھیگ گئے۔ اور فراک بھی گندے پانی سے خراب
ہوگیا۔ چنانچہ اُس نے رونا شروع کر دیا۔

نازی کے رونے کی آواز سُن کر اُس کی ماں
گھر سے باہر نکل آئی تھی۔ اُس نے جب
نازی کے کپڑوں کو کیچڑ والے پانی سے لت پت
دیکھا۔ تو اُس پر برس پڑی۔ اور اُس کے کان کھینچتے
ہوئے بولی۔

"شیطان - پہلے اپنے کپڑوں کا ستیاناس کر دیا اور اب معصوم بن کے روتی ہے"؟

ننّھی نازی نے جب دیکھا - کہ اُس کی ماں بجائے اُسے تسلّی دینے اور اُس کی حمایت کرنے کے اُسے ڈانٹنے لگی ہے - تو وہ اور زیادہ رونے لگی - اور پھر اُس نے روتے روتے کہا "امّاں اس میں میرا ذرا بھی قصور نہیں - میرے کپڑے تو شمّی نے خراب کئے ہیں"

"شمّی نے"؟ اور اب اُس کی ماں شمّی کی طرف جھپٹی جو قریب کھڑی چپ چاپ نازّی اور اُس کی امّاں کو دیکھ رہی تھی -

نازّی کی امّاں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ - چٹاخ پٹاخ بہت سی چپتیں شمّی کے لگا دیں - جس پر شمّی نے بھی چیخ

چیخ کر رونا شروع کر دیا۔

اب شمّی کی امّاں بھی باہر نکل آئی۔ یہ دیکھ کر کہ اُس کو نازی کی امّاں نے مارا ہے۔ نازی کی امّاں کے ساتھ جھگڑنے لگی۔

پھر اُن دونوں میں ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں اگرچہ ہاتھوں کا استعمال نہیں کیا گیا۔ لیکن زبان دونو کی قینچی کی طرح خوب چلی۔ محلّے کے بہت سے مرد اور عورتیں اُن کی اُونچی اُونچی آوازیں سُن کر وہاں اکٹھے ہو گئے، اُن میں سے بعض تو شمّی کی امّاں کی طرفداری کرنے لگے۔ اور بعض نازی کی امّاں کی۔ اب جھگڑا اور بڑھ گیا۔ کیونکہ جھگڑنے والے کافی تھے۔

اسی دوران میں شمّی کی دادی بھی آپہنچی۔ چونکہ

اُسے لڑائی جھگڑوں سے بڑی نفرت تھی۔ اس لئے
اُس نے ان لوگوں کو خاموش کرنے کی کوشش کی
اور اُن کے پاس کھڑے ہو کر جھگڑے کی اصلی وجہ
پُوچھی۔

لیکن وہاں اتنا شور تھا۔ کہ بیچاری بڑھیا کی
آواز کسی کے کانوں تک نہ پہنچ سکی۔ جھگڑا بڑھتا
گیا۔ اور وُہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ سوائے
بڑبڑانے کے وُہ اور کچھ نہ کر سکتی تھی۔ چنانچہ اُن
کے پاس کھڑے ہو کر اُس نے بھی بڑبڑانا شروع کر دیا۔

اس لڑائی میں اگرچہ شمی اور نازی کا نام بار
بار لیا جا رہا تھا۔ مگر اب وہاں نہ شمی تھی اور نہ نازی۔

تھوڑی دیر تک رونی صورت بنائے وُہ ایک
دُوسرے کی طرف گھور گھور کر دیکھتی رہی تھیں۔ پھر

شمی چُپ چاپ وہاں سے چل دی تھی۔ اور اُسی
چھوٹے سے تالاب کے کنارے جاکر اُس نے ایک پتھر
سے زمین کھود کے ایک نالی سی بنانی شروع کر دی تھی
جس میں کہ پانی قطرہ قطرہ ہو کر تالاب میں سے
نکل کر بہنے لگا تھا۔

نازی دور کھڑی شمی کو یہ نیا کھیل کھیلتے دیکھتی
رہی۔ پھر آہستہ آہستہ چل کر اُس کے پاس جا کھڑی ہوئی
اور وہاں جاکر ایک چھوٹی سی لکڑی اُٹھا شمی سے کہنے
لگی "شمی۔ صرف پتھر سے یہ نالی ٹھیک نہ بنے گی
دیکھو میں اس لکڑی سے بناتی ہوں۔"

اور اب اُس نے اُس لکڑی سے اُس چھوٹی سی
نالی کو اور زیادہ گہرا اور چوڑا کر دیا۔ جس کی وجہ
سے پانی تیزی سے نالی میں سے بہ کر گلی میں چلنے لگا

اور بہتے بہتے کچھ دیر میں. جھگڑا کرنے والوں کے پاؤں سے جا چھوا۔

ارے یہ کیا؟" اُن میں سے ایک نے جب تازہ تازہ نمی اپنے پاؤں میں محسوس کی۔ تو ڈر کر ایک چھلانگ لگاتے ہوئے کہا۔

پھر جب اُن سب نے وہاں پانی دیکھا۔ تو قدرتی طور پر اُن کی نگاہیں اُس طرف اُٹھ گئیں جس طرف سے پانی آ رہا تھا۔

تالاب سے پانی بڑی تیزی سے بہ رہا تھا۔ اور نازی اور شمی زور زور سے ہنستی ہوئی اس کے کنارے بھاگ رہی تھیں۔

شمی کہہ رہی تھی " نازی اسے پکڑ لو۔ پکڑ لو "

اور نازی ہنستے ہنستے دُہری ہوئی جا رہی تھی۔

ہنسی کے مارے اُس کے مُنہ سے بات تک نہ نکلتی تھی۔ پھر بھلا وُہ اس لکڑی کے ٹکڑے کو جو پانی کے ساتھ بڑی تیزی سے بہتا آرہا تھا۔ کیسے پکڑ سکتی تھی؟"

سب لوگ تھوڑی دیر کے لئے جھگڑنا بھول کر بچّوں کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ شمّی کی دادی امّاں نے اُن کی خاموشی سے فائدہ اُٹھایا۔ اُسے یقین تھا کہ اب چونکہ شور نہیں رہا۔ اس لئے اُس کی بات سب سُن سکیں گے۔ چنانچہ اُس نے کہا "نادانو۔ اب بتاؤ۔ کیا تمہیں شرم نہیں آتی۔ جن بچّوں کی خاطر تم نے اتنا لمبا جھگڑا شروع کر رکھا ہے۔ اپنے گلے شکوے بھول کر دوبارہ کھیلنے لگے ہیں۔ اور تم ہو۔ کہ اب تک جھگڑے جا رہے ہو"

یہ سُن کر سب شرمندہ ہو گئے۔ واقعی اُن سے

تو اُن کے بچّے ہی سیانے نکلے۔ جنہوں نے فوراً صُلح صفائی کر لی تھی۔

سب لوگ بچّوں کی طرف دیکھ کر کھسیانے ہو کر ہنسنے لگے۔ اور اس کے بعد واپس اپنے گھروں کو چل دیئے۔

شمّی کی بُوڑھی دادی نے بڑے پیار سے بچّوں کی طرف دیکھا۔ اور پھر بڑوں کی طرف دیکھ کر بڑبڑانے لگی۔

"اپنی طرف سے بڑے بنے پھرتے ہیں۔ اور عقل چھُو بھی نہیں گئی"۔ ــــ اور یہ کہہ کر آہستہ آہستہ وہ بھی گھر کو روانہ ہو گئی۔

ــــ بچّے بدستور کھیلتے رہے ؛

شیخ محمد نصیر ہمایوں نے تعلیمی پریس لاہور میں چھپوا کر قومی کتب خانہ لاہور سے